

قران السعدین اور امیر خسرو کا فن وصف نگاری

ڈاکٹر محمد ناصر

صدر شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

شبانہ کشر

پی ایچ ڈی اسکالر (فارسی)، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

QIRAN AL-SA'DAIN AND AMIR KHOSROW'S ART OF DESCRIPTION

Muhammad Nasir, PhD

Chairman Department of Persian

University of the Punjab, Lahore

Shabana Kishwar

PhD Scholar (Persian)

Department of Persian, University of the Punjab, Lahore

Abstract

Qiran al-Sa'dain by Amir Khosrow was written at the request of Sultan Kaiqubad. The poem is based on the reconciliatory meeting of Kaiqubad, the Sultan of Delhi and his father, Bughra Khan, the ruler of Bengal on the banks of the river Sar-e-Ju. Amir Khosrow, being an eye witness, was commissioned by Kaiqubad to capture this historical episode. Qiran al-Sa'dain occupies a unique place in the landscape of Subcontinent's Persian literature. Khosrow adopted an innovative style, aesthetically brilliant and historically significant. The description of Delhi, the triumphal arches, the singing girls, the musical instruments, the gifts exchanged between the father and the son, are some of the illustrious components of this long historical poem.

Keywords:

امیر خسرو، فارسی، ادب، شعر، مثنوی، قران السعدین، پنج گنج، تاریخ ادبیات ایران

امیر خسرو (۶۵۱ھ-۷۲۵ھ/۱۲۵۳ء-۱۳۲۵ء) (۱) برصغیر کے عظیم ترین فارسی گو شعرا میں سے ایک ہیں، انھوں نے مثنوی قران السعدین کو تقریباً چھ ماہ کے مختصر عرصے میں ۶۸۸ھ کے ماہ رمضان میں مکمل کیا۔

ساختمہ گشت از روش خامہ ای از پس شش ماہ چنین نامہ ای
در رمضان شد بہ سعادت تمام یافت قران نامہ سعدین نام
آنچہ بہ تاریخ ز ہجرت گذشت بود سنہ شش صد ہشتاد و ہشت
(امیر خسرو، قران السعدین، ۲۳۰)

امیر خسرو فارسی شعر و ادب کی تاریخ میں مثنوی کی صنف میں شعر کہنے والے عظیم ترین شعرا میں شمار ہوتے ہیں، اور قران السعدین اس اعتبار سے بھی لائق توجہ ہے کہ یہ ان کی پہلی طویل تاریخی مثنوی ہے (۲) جس کے اشعار کی تعداد ۳۹۴۴ ہے۔

تا چو درین بنگری ای ہوشمند بیش و کمش باز شناسی کہ چند
وز جمل باز کشایی شمار نہ صد و چار و چل و سہ ہزار
(ایضاً، ۲۳۷)

مثنوی قران السعدین کو قران نامہ بھی کہا جاتا ہے جبکہ خود امیر خسرو نے اسے مجمع اوصاف کے نام سے بھی پکارا ہے:

چند صفت گویم و آبش دہم مجمع اوصاف خطابش دہم
(ایضاً)

کئی کتب میں قران السعدین کو مثنوی در صفت دہلی کے ناموں سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ (برنی، ۴۰) بلاشبہ یہ برصغیر میں لکھی گئی مقبول اور یادگار ترین فارسی مثنویوں میں سے ایک ہے۔ امیر خسرو فارسی کے عظیم شاعر نظامی گنجوی (۱۱۴۱ء-۱۲۰۹ء) کے خمسہ یا پنج گنج (۳) کی پیروی میں پانچ مثنویاں (۴) تخلیق کرنے والے پہلے شاعر ہیں۔ ان کے بعد کئی دیگر شعرا نے بھی خمسہ نظامی کی پیروی کی۔ (۵) امیر خسرو کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ انھوں نے نظامی گنجوی کے تتبع کے علاوہ بھی طبع زاد مثنویاں لکھیں۔ (۶) ان طبع زاد مثنویوں کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ سبھی تاریخی نوعیت کی ہیں۔ مزید یہ کہ انھوں نے شاعرانہ لطافتوں کو برقرار رکھتے ہوئے تاریخی واقعات کو صادقانہ پیرائے میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور کہیں بھی حقائق کو نظر انداز نہیں ہونے دیا اور گویا ہر اعتبار سے شاعرانہ تاریخ نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔

این سخن چند کہ بیخو است شاعری نیست ہمہ راست است
(ایضاً، ۲۴۴)

امیر خسرو نے حالات و واقعات کے بیان میں قاری کے تجسس کو لطافت کے احساس میں سمودیا ہے۔ انھوں نے مثنوی لکھتے ہوئے جس طرح مختلف مواقع پر بر محل غزلیات کو درج کیا ہے، وہ فارسی شاعری میں ایک نیا، دلکش اور قابل تقلید تجربہ ہے۔ علامہ اقبال نے بھی غالباً امیر خسرو ہی کے تتبع میں اپنی شہرہ آفاق مثنوی جاوید نامہ میں مواقع کی مناسبت سے متعدد غزلیات شامل کی ہیں۔

مثنوی قران السعدین خوبصورت تصویر کشی اور دلفریب تمثال آفرینی کے اعتبار سے بالخصوص قابل توجہ ہے۔ لفظ ”قران“ کے لغوی معنی اتصال یا ملاپ کے ہیں۔ (آنندراج، دہخدا، عمید، معین) البتہ علم نجوم کی اصطلاح میں آفتاب کے علاوہ باقی سیاروں میں سے کوئی سے دو سعد سیاروں مثلاً مشتری و زہرہ کا کسی ایک جگہ نظر آنا بھی قران کہلاتا ہے۔ (ایضاً)، اور ”سعدین“ کا مطلب ہے دو خوش قسمت۔ (ایضاً) شاعر نے دو بادشاہوں یعنی بغراخان اور کیتباد کی یادگار ملاقات کو ملک و ملت کے لیے موجب سعادت و خوش بختی قرار دیا ہے۔ (امیر خسرو، ۱۳۴ھ) اور اصطلاح کے طور پر اسے قران السعدین یعنی دو خوش قسمت ستاروں کا اجتماع قرار دیا ہے۔ (ایضاً)

شاعر نے دریائے سرجو کے دونوں کناروں پر ظہور پذیر ہونے والے واقعات کو سلطان معز الدین کیتباد (۱۲۶۹ء-۱۲۹۰ء) کی فرمائش پر منظوم کیا۔

جسم سخن را بہ هنر جان دہی شرح ملاقات دو سلطان دہی
نظم کنی جملہ بہ سحر زبان قصہ ی من با پدر مہربان
(ایضاً: ۲۲۴)

دراصل امیر خسرو کی پہلی مثنوی قران السعدین کا بنیادی موضوع سلطان دہلی معز الدین کیتباد (دوران حکومت: ۱۲۸۷ء-۱۲۹۰ء) کی اودھ (۷) کے مقام پر دریائے سرجو کے کنارے اپنے والد سلطان لکھنؤی ناصر الدین بغراخان (دوران حکومت: ۱۲۸۱ء-۱۲۹۱ء) سے تخت نشینی کے مسئلے پر شدید اختلافات اور بعد ازاں نامہ و پیام کے بعد صلح و آشتی اور باہمی ملاقات کا بیان ہے۔

سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۰۰ء-۱۲۸۷ء) (دوران حکومت: ۱۲۶۶ء-۱۲۸۷ء) کے انتقال کے بعد اس کا پوتا معز الدین کیتباد تخت دہلی پر متمکن ہوا۔ معز الدین کیتباد کا باپ ناصر الدین محمود بغراخان (حاکم بنگال: ۱۲۸۱ء-۱۲۸۷ء) لکھنؤی کا حکمران تھا۔ جب اسے اپنے باپ غیاث الدین بلبن کے انتقال اور اپنے بیٹے معز الدین کیتباد کی تخت نشینی کی خبر ملی تو اس نے خود کو تخت دہلی کا حقیقی وارث سمجھتے ہوئے دہلی پر لشکر کشی کا فیصلہ کیا۔ بغراخان کی لشکر کشی اور ممکنہ تصادم کی خبر سن کر کیتباد بھی اپنی فوج لے کر دہلی سے باہر نکلا، اور شہر اودھ کے قریب دریائے سرجو کے کناروں پر دونوں لشکر صف آرا ہو گئے، لیکن نامہ و پیام کے پُر خلوص تبادلے

کے بعد بالآخر صلح ہو گئی، اور بغراخان خود اپنے فرزند کی قیادت سے ملنے کے لیے آیا اور اُسے اپنی رضامندی سے تخت نشین کر دیا۔ ”یہ بظاہر کوئی اہم یا مہتم بالشان واقعہ نہیں ہے لیکن شاعر کی سحر کاری کو دیکھو، مواد کی کمی اور واقعہ کی قلت کو وصف نگاری کے پردے میں اس طرح سے چھپایا ہے کہ قصے کی بے مائیگی کا احساس تک نہیں ہوتا۔“ (برنی، ۲۳)

مثنوی قران السعدین کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ناصر الدین محمود بغراخان نے موسم سرما میں دہلی پر فوج کشی کی۔ اطلاع ملنے پر معز الدین کی قیادت میں لشکر کا رکنے اور عسکری تیاریوں کا جائزہ لینے کے ارادے سے دارالسلطنت دہلی سے باہر آ گیا، اور شاہی لشکر کا معائنہ کرنے کے لیے قصر کلوکھری جا پہنچا، جہاں بڑے پیمانے پر شاہی جشن منایا گیا۔ داستان میں اس مقام پر ابتدائی واقعات کا ذکر کیا جاتا تھا، لیکن یہاں تک پہنچتے ہوئے مثنوی قران السعدین کا قاری درحقیقت دارالسلطنت دہلی کے بارے میں کما حقہ تفصیلی معلومات حاصل کر چکا ہے۔ وہ موسم کی کیفیت بھی سمجھتا ہے۔ بادشاہ کے جلوس اور شکار گاہ کا نظارہ بھی دیکھ چکا ہے۔ بادشاہ کی محفل عیش و نشاط کا پورا منظر اس کی آنکھوں میں مجسم ہو چکا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ شہر دہلی دریائے جمنا کے قریب واقع ہے، اور اس شہر کے تین حصار ہیں۔ علاوہ ازیں مسجد جامع، منارہ، اور حوض شمس جیسے دلکش مقامات بھی ہیں، اور یہ کہ شہر دہلی نہایت آباد اور پُر رونق ہے۔ ”اس واقعہ نگاری کی بدولت اس عہد کے تمدن کی جزئیات پر ایسی روشنی پڑتی ہے جو دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ دربار، جلوس، مجلس شاہی اور فوجی نظام کی گویا چلتی پھرتی تصویریں دکھائی دینے لگتی ہیں۔“ (ایضاً، ۲۴)

اس مثنوی کا بنیادی موضوع پدر و فرزند، دو پُر شکوہ بادشاہوں کے درمیان انتشار و اختلاف اور لشکر کشی کے بعد حسن اتفاق سے جنگ و جدل سے گریز اور بعد ازاں صلح و آشتی کا بیان ہے۔ دہلی کا بادشاہ کی قیادت اپنی فوج کے ہمراہ دریائے گھاگھرا کے کناروں کے نزدیک اپنے باپ بغراخان کی فوج سے مقابلہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوتا ہے، بغراخان اپنے فرزند کے خلاف آمادہ پیکار ہے، جو خود بھی بنگال کا صوبہ دار ہے، لیکن امیر خسرو کو باپ اور بیٹا دونوں ہی یکساں عزیز ہیں۔ ”امیر خسرو غیر ضروری خون خرابے سے گریزاں ہیں، پس خود امیر خسرو اور چند ایک ہی خواہوں کی مساعی جمیلہ کے سبب خونی معرکہ روک دیا جاتا ہے۔ بغراخان کو بنگال کا خود مختار حکمران تسلیم کر لیا جاتا ہے، جبکہ اس کا فرزند بدستور دہلی کا حکمران برقرار رہتا ہے، اور اس صلح کا سہرا بجا طور پر امیر خسرو کے سر بندھتا ہے۔“ (جعفری، ریاض، ۱۲۵)

مثنوی کا بنیادی موضوع اگرچہ تاریخی نوعیت کا ہونے کے سبب خشک اور عوامی دلچسپی سے عاری تھا، لیکن امیر خسرو کے دلکش انداز بیان نے اسے شاعرانہ لطافت کی شیرینی عطا کر دی ہے۔ شاعر نے ہر ہر لمحے کی تفصیل کچھ اس انوکھے اور پُر لطف انداز میں پیش کی ہے کہ محض ادب سے دلچسپی رکھنے والے قاری کی توجہ بھی ہرگز منتشر نہیں ہو پاتی اور وہ شاعری کی پُر کیف لطافتوں سے محظوظ ہوتا ہوا تاریخی واقعات کو بھی ذہن نشین کرتا

چلا جاتا ہے۔ ”جس چیز کو خسرو نے وصف نگاری کے لفظ سے تعبیر کیا ہے وہ حقیقت میں واقعہ نگاری ہے۔ انتخاب جزئیات اور تفصیل کوائف، یہ دونوں اجزاء وصف نگاری کی جان ہیں، اور فارسی میں اس مثنوی سے بڑھ کر شاید ہی کہیں موجود ہوں۔“ (برنی، ۲۳)

تاریخی واقعات کو بیان کرنے کے ضمن میں امیر خسرو نے دہلی کی خوبصورت عمارات (امیر خسرو، ۵، قرآن السعدین، ۲۸-۳۰)، شاہی دربار کی شان و شوکت (ایضاً، ۱۳۴-۱۳۷)، طلا و جواہرات سے مزین تاج ہائے شاہی (ایضاً، ۱۸۹)، بزم ہائے بادہ نوشی (ایضاً، ۱۷۵)، ہندوستان کے خوشگوار اور دلنشیں موسموں (ایضاً، ۳۷، ۵۸، ۷۳، ۸۱، ۱۰۶)، متنوع و خوش ذائقہ پھلوں (ایضاً، ۱۰۹)، طرح طرح کے دیدہ زیب و رنگارنگ پھولوں (ایضاً، ۷۷)، لذیذ و اشتہا انگیز پکوانوں (ایضاً، ۱۸۳)، پرندوں کے سُریلے نغموں (ایضاً، ۱۷۷)، رواں دواں دریاؤں (ایضاً، ۲۱۶) اور کانوں میں رس گھولنے آلات طرب و موسیقی (ایضاً، ۱۷۷-۱۸۰)، اور مزید برآں اس عہد کی عظیم الشان تہذیب و ثقافت کی عکاسی کرنے میں گویا وصف گوئی کی انتہا کو چھو لیا ہے۔

شعری و ادبی ارزش و اہمیت سے بڑھ کر مثنوی قرآن السعدین کی تاریخی حیثیت اس پہلو سے بھی نمایاں ہے کہ بعض نہایت اہم مؤرخین نے اس مثنوی میں درج واقعات کو بعینہ نقل کیا ہے، مثلاً ضیاء الدین برنی (۱۲۸۵ء-۱۳۵۷ء) نے تاریخ فیروز شاہی اور ملا عبدالقادر بدایونی (۱۵۴۰ء-۱۶۰۵ء) نے منتخب التواریخ میں اسی مثنوی کے حوالے دیے ہیں۔

قرآن السعدین اور وصف نگاری

مثنوی قرآن السعدین کی سب سے اہم خوبی وصف نگاری ہے، جسے توصیفی بیانیہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ قرآن السعدین، تاریخی اور طویل مثنوی نگاری کے میدان میں امیر خسرو کی اولین کاوش ہے۔ بظاہر مثنوی کا مرکزی خیال یعنی باپ اور بیٹے کے درمیان سیاسی اختلاف و انتشار کا احوال قارئین کے لیے دلچسپی کا حامل دکھائی نہیں دیتا، پس امیر خسرو نے قارئین کی ممکنہ عدم دلچسپی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی توجہ کو مبذول کرنے کے لیے واقعات کے پھیکے پن کو دور کرنے کی غرض سے وصف نگاری کے دلکش نمونوں کی مدد سے لفظوں کے دلفریب رنگ بھرے ہیں۔ ”انھوں نے شاعرانہ پابندیوں اور پرانی روایتوں کی قید کے باوجود وصف نگاری میں ایسا کمال کر دکھایا جو ان سے پہلے کسی شاعر کو نصیب نہ ہوا تھا۔“ (مرزا، ۱۸۱)

”وصف نگاری کی ایجاد بھی امیر خسرو ہی کی قوت فکریہ و تجلیہ کا نتیجہ ہے۔ قدیم شعرا محسوسات و موجودات خارجیہ کی الفاظ میں تصویر کشی نہیں کرتے تھے۔“ (سلیمان اشرف، سید، ۱۳) ان اقتباسات کو آپس میں جوڑ کر ان سے مجموعی حسن اور لطافت شاید وہ پیدا نہیں کر سکے، لیکن ہر اقتباس اپنی جگہ پر ایک بے مثل اور نادر تصویر ہے۔ درحقیقت اس مثنوی کو لکھنے سے پہلے امیر خسرو کے ذہن میں یہ خیال موجود تھا

کہ وہ اہم تاریخی واقعات کو شاعرانہ انداز میں پیش کریں، چنانچہ انھیں اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ کہتے ہیں: ”وصف اشیا کی نسبت کہتے ہیں کہ کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ صفات اشیا کو بیان کر کے اُس کا نام مجمع اوصاف رکھوں، طرز سخن میں یہ ایک نئی ایجاد ہوگی۔ چنانچہ اس مثنوی کے ضمن میں وہ خیال پورا کیا ہے، آئندہ اس مضمون پر قلم اٹھانے کا ارادہ نہیں ہے۔“ (اسماعیل، مقدمہ مثنوی قران السعدین، ۵۹)

بود در اندیشه ی من چند گاہ	کز دل دانندہ حکمت پناہ
چند وصف گویم و آبش دہم	مجمع اوصاف خطابش دہم
باز نمایم صفت ہر چہ هست	شرح دہم معرفت ہر چہ هست
بفگنم از جیب گھر ہا بہ پیش	تاج خودش سازم و دامن خویش
طرز سخن را روش نو دہم	سکہ ی ابن فلک بہ خسرو دہم

(امیر خسرو، قران السعدین، ۲۳۷-۲۳۸)

اس مثنوی کی وساطت سے امیر خسرو کے عہد کی معاشرت، معیشت اور تہذیب و ثقافت بالخصوص بادشاہوں اور امرا و وزرا کے تکلفات زندگی سے متعلق بہت سی دلچسپ اور مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ دہلی کی بعض اہم عمارات مثلاً جامع مسجد، مینار، حوض شمسی وغیرہ کا ذکر، شہر کی فنون سے آرائش اور قص و سرود کی محفلوں کے مناظر، آلات موسیقی اور مختلف قسم کی کشتیوں کا بیان جن میں کیتقاد اور بغراخان دریائے سرو جو کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک آتے جاتے تھے۔ کھانوں، پھلوں اور پھولوں وغیرہ کا وصف، یہ سبھی معلومات امیر خسرو نے بہت خوبصورتی سے پیش کی ہیں۔

امیر خسرو نے اپنے تہذیبی شعور و ادراک کو بروئے کار لاتے ہوئے جذبات و احساسات کی سطح بلند کر دی ہے اور خود بادشاہ وقت کو سچائی کا احساس دلاتے ہیں۔ انھوں نے جذباتی کیفیات کو شاعرانہ لطافتوں کے ساتھ بیان کرتے ہوئے حد درجہ محسوس بنا دیا ہے، کچھ یوں کہ اس تاریخی ملاقات کے واقعات سے گریز کر کے دونوں جانب کے فوجیوں کی زندگی کے نقوش بھی اُجاگر کیے ہیں، بالخصوص جزئیات نگاری میں اُن کی فن کاری بے حد متاثر کرتی ہے۔ قران السعدین فی نقطہ نظر سے بلاشبہ ایک شاہکار ہے۔ تاریخی واقعات میں حقیقت اور افسانہ دونوں کی خصوصیات شامل ہو گئی ہیں، تاریخ اور اس کے واقعات افسانے کے سانچے میں ڈھل گئے ہیں اور موضوعات مختلف مناظر میں تقسیم ہو کر تمثیلی انداز میں ظہور پذیر ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ ”امیر خسرو کی مثنوی نگاری کو تاریخی نقاشی سے تعبیر کرنا بے جا نہ ہوگا۔“ (برنی، ۲۲)

تغزل کا نہایت اعلیٰ معیار اور مواقع کی مناسبت سے اس کا برملا اظہار بھی مثنوی قران السعدین کی اہمیت کو دو چندان کر دیتا ہے۔ امیر خسرو کی رومان پسندی بھی قارئین کو از حد متاثر کرتی ہے اور اُن کا جمالیاتی

شعور بھی بھرپور انداز میں اثر انداز ہوتا ہے۔ ممدوح کی ذات کی تحسین و ستائش اور شخصیت کی تعریف و توصیف تو اپنی جگہ ضروری ہی تھی لیکن بات صرف رسمی انداز تک محدود نہیں رہی۔ فنکار و مرقع نگار نے کہانی اور اس کے واقعات کے کئی پہلوؤں کو انوکھے انداز میں پیش کیا ہے، کچھ یوں کہ ممدوح بھی اس افسانے یا داستان کا ایک متحرک کردار بن جاتا ہے۔ اس افسانے میں جزئیات نگاری کی مدد سے محیط و ماحول کی تشکیل، تخیل کی پرواز اور بعد ازاں ڈرامائی تضادم کے دوران جذبات کی کشمکش، قاری کی توجہ کو اپنی طرف مبذول رکھتے ہیں۔ قرآن السعدین کے تاریخی ڈرامے میں مناظر تیزی سے تبدیل ہوتے ہیں اور ہر منظر اپنا بھرپور نقش اور گہرا تاثر چھوڑ جاتا ہے۔ انسان اور اس کی انسان دوستی پر مکمل اعتبار اور بھروسہ ہی مثنوی کا بنیادی موضوع ہے۔ بغراخان اور کیقباد دونوں کی شخصیات کے جوہر کی حتمی شناخت داستان کے آخری مناظر میں ہو جاتی ہے۔ مثنوی میں اصل قصہ کے ضمن میں اشیاء کی وصف نگاری موقع بموقع اس فراوانی سے کی گئی ہے کہ اُن اوصاف کا حجم اصل قصہ سے بھی بڑھ گیا ہے۔ وصف نگاری کی دلکشی اور ایک قادر الکلام شاعر کی وسعت نظر کو ملاحظہ فرمائیے:

- وصف حضرت دہلی (امیر خسرو، ھ) (قرآن السعدین، ۲۸)

- | | |
|----------------------------------|-----------------------------------|
| - وصف مسجد جامع (ایضاً، ۳۰) | - وصف منارہ (ایضاً، ۳۰) |
| - وصف حوض (ایضاً، ۳۲) | - وصف فصل دی (ایضاً، ۳۷) |
| - وصف آتش (ایضاً، ۳۹) | - وصف شہر نو و قصر نو (ایضاً، ۵۴) |
| - وصف فصل خزان (ایضاً، ۵۸) | - وصف فصل بہار ان (ایضاً، ۶۸) |
| - وصف نوروز (ایضاً، ۷۳) | - وصف چتر سیہ (ایضاً، ۷۴) |
| - وصف چتر سپید (ایضاً، ۷۵) | - وصف چتر لعل (ایضاً، ۷۵) |
| - وصف چتر سبز (ایضاً، ۷۶) | - وصف چتر گل (ایضاً، ۷۷) |
| - وصف دُر (ایضاً، ۷۸) | - وصف تنگ (ایضاً، ۷۹) |
| - وصف کمان (ایضاً، ۸۰) | - وصف تیر (ایضاً، ۸۱) |
| - وصف رایت لعل و سیہ (ایضاً، ۸۲) | - وصف فصل گرما (ایضاً، ۱۰۶) |
| - وصف خر پڑہ (ایضاً، ۱۰۹) | - وصف کشتی (ایضاً، ۱۲۵) |
| - وصف اسپان (ایضاً، ۱۵۳) | - وصف شب قدر (ایضاً، ۱۵۹) |
| - وصف شمع (ایضاً، ۱۶۲) | - وصف نور چراغ (ایضاً، ۱۶۳) |
| - وصف سیر بروج (ایضاً، ۱۶۴) | |

- وصف اختر و طالع (ایضاً، ۱۶۷)	- وصف بادہ (ایضاً، ۱۷۲)
- وصف قرابہ (ایضاً، ۱۷۳)	- وصف صراحی (ایضاً، ۱۷۴)
- وصف پیالہ (ایضاً، ۱۷۴)	- وصف ساقی (ایضاً، ۱۷۵)
- وصف چنگ (ایضاً، ۱۷۷)	- وصف رباب (ایضاً، ۱۷۸)
- وصف نای (ایضاً، ۱۷۹)	- وصف دف (ایضاً، ۱۸۰)
- وصف پردہ و پردہ نشینان (ایضاً، ۱۸۱)	- وصف مایہ (ایضاً، ۱۸۳)
- وصف بیرہ تنبول (ایضاً، ۱۸۵)	- وصف نغمہ گری (ایضاً، ۱۸۶)
- وصف تاج (ایضاً، ۱۸۹)	- وصف تخت (ایضاً، ۱۸۹)
- وصف پیل (ایضاً، ۱۹۰)	- وصف صبح (ایضاً، ۱۹۵)
- وصف چشمہ خورشید (ایضاً، ۱۹۷)	- وصف فصل باران (ایضاً، ۲۱۶)
- وصف قلم (ایضاً، ۲۲۵)	- وصف کاغذ (ایضاً، ۲۲۸)
- وصف دہلی	

مثنوی قران السعدین کے بعض قلمی نسخوں پر اس مثنوی کا نام ”مثنوی در صفت دہلی“ لکھا گیا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ زیر نظر مثنوی میں امیر خسرو نے جہاں مختلف اشیا کی صفات لکھی ہیں، وہاں دار السلطنت دہلی اور اس عظیم الشان شہر کی تاریخی نوعیت کی مشہور و معروف عمارات کی شایان شان توصیف بھی شاعرانہ انداز میں کی ہے، کہ وصف نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔

مثنوی قران السعدین کے اشعار کی مدد سے آثار قدیمہ کے محققین بھی استفادہ کر سکتے ہیں، اور مورخین کو بھی کیتباد کے عہد میں دہلی سے متعلق کئی طرح کی مستند معلومات بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔ یاد رہے کہ شہر دہلی کو اس عہد میں قبۃ الاسلام کے لقب سے بھی پکارا جاتا تھا۔

قبہ ی اسلام شدہ در جہان بستہ ی اوقبہ ی ہفت آسمان (ایضاً، ۲۹)

امیر خسرو نے اس مثنوی میں دہلی کی جو تصویر کشی کی ہے اور اس شہر سے اپنے قلبی تعلق کی جو باتیں بیان کی ہیں، اُن سے شہر دہلی کی شخصیت خوب اجاگر ہونے لگتی ہے، تمدنی اور تہذیبی زندگی کے نقوش بھی اُبھرتے ہیں اور اس شہر دلنشین کا حسن و جمال بھی نکھر کر سامنے آتا ہے۔

قران السعدین کے مطابق اُس وقت دہلی شہر دو قدیم اور ایک جدید فیصلوں یا حصروں سے گھرا ہوا تھا، لوگوں کے گھر خوب صورت اور مکانات خوب آراستہ تھے۔ شہر کی آرائش و زیبائش کی جانب بھی خاص توجہ دی جاتی تھی۔ دراصل یہ شہر ایک پہاڑی پر آباد تھا اور اس کے ارد گرد باغات لگائے گئے تھے۔ ہر موسم میں خوبصورت پھول دیکھنے والوں کو مسحور کرتے تھے، مناظر دل فریب اور پرکشش تھے اور شہر کے بارونق بازار

ہندوستان اور اطراف کے ممالک کے پھلوں اور میوہ جات سے لبریز تھے۔ جامع مسجد، حوض سلطانی اور مینارہ وغیرہ جیسی عظیم عمارات کے اپنے جلوے تھے۔ جامع مسجد کے نوگنبد تھے۔ حوض سلطانی دو پہاڑوں کے درمیان تھا، اس کا پانی اتنا صاف و شفاف تھا کہ اس کی تہہ بھی نظر آتی تھی اور لوگ اس کا پانی پی لیا کرتے تھے۔ دریائے جمنا سے حوض سلطانی تک کئی نہریں نکالی گئی تھیں۔ یہاں لوگ تفریح کی غرض سے بھی آیا کرتے تھے۔ جمنا کے کنارے کیلوکھری کے مقام پر شاہی محل کا عکس دریا میں پڑتا تھا۔ باغ کے درختوں کی شاخیں محل کے اندر پہنچ گئی تھیں۔ امیر خسرو نے بہار اور خزاں دونوں موسموں کے جلال و جمال کو حد درجہ محسوس بنادیا ہے۔

حضرت دہلی کنف دین و داد جنت عدن است کہ آباد باد (ایضاً، ۲۸)

امیر خسرو کی شہر دہلی سے محبت گویا عشق کے درجے کو پہنچی ہوئی تھی۔ ان کا یہ خیال تھا کہ شہر دہلی کے نظام انصاف کی چار دانگ عالم میں دھوم مچی ہوئی ہے۔ ”دہلی عدن کی جنت ہے اور اس کے جمال پر نظر ڈالیے تو محسوس ہوگا کہ یہ باغ ارم ہے، یہاں تک کہ اس کا قصہ سن کر مکہ بھی اس پر عاشق ہو جائے، اور ہندوستان کا طواف کرنے لگے۔“ (تکلیل الرحمن، ۴۳)

ہست چو ذات ارم اندر صفات	حرّسھا اللہ عن الحادثات
دورش از آنگاہ کہ پُرکار شد	دایرہ ی چرخ ز پر کار شد
حصن بیرونی اش ز عالم برون	عالم بیرونش بہ حصن اندرون
حصن درونیش تو گوی می مگر	چرخ بہ زیرست و حصارش زبر
قبہ ی اسلام شدہ در جہان	بستہ ی او قبہ ی ہفت آسمان
ساکن او جملہ بزرگان ملک	گوشہ بہ گوشہ ہمہ ارکان ملک
تخت گہ تاجوران بلند	گشتہ ز اقبال شہان بہرہ مند

(ایضاً، ۲۸-۲۹)

شہر پہاڑی پر آباد تھا اور اس کے ارد گرد میلوں تک باغات تھے، اور دریائے جمنا ان کی آبیاری کرتا تھا۔ ”امیر خسرو کو یہ خیال تو پہلے سے ملحوظ خاطر تھا کہ اشیا کی وصف نگاری کریں، اور اس کا نام بھی مجمع اوصاف تجویز کیا گیا تھا۔ کیقباد کی فرمائش ہوئی تو یہ قصہ نہایت مختصر تھا اور اس میں اتنا پھیلاؤ ممکن نہ تھا کہ ایک معقول مثنوی مرتب ہو سکے۔ عوامی دلچسپی کا سامان بھی اس قصہ میں موجود نہ تھا، لہذا امیر خسرو نے اس مثنوی کو وصف نگاری کے فن سے ایک ایسا نگارستان بنادیا کہ شاہ و گدا سبھی کے لیے موجب انبساط خاطر ہو۔“ (اسماعیل، ۸۲)

وصف عوام: عوام الناس کی تعریف میں امیر خسرو لکھتے ہیں کہ لوگوں میں دوستی اور بھائی چارے کا جذبہ بہ درجہ اتم پایا جاتا تھا۔ لوگ علم دوست تھے اور انھیں ادب و موسیقی سے بھی بے پناہ دلچسپی تھی اور وہ ہر طرح کے

فنون کو سیکھنے کے شائق دکھائی دیتے تھے۔ انسان دوستی اور باہمی احترام کے جذبات بیدار تھے۔ لوگ علم و دانش کے متلاشی تھے۔ انھیں شعر و ادب اور موسیقی و طرب سے بھی کم دلچسپی نہیں تھی۔ سپہ گری کا فن مقبول عام اور موجب احترام تھا۔ عام لوگوں میں بھی اخوت اور بھائی چارے کا احساس حد درجہ پاکیزہ تھا۔

مردم او جملہ فرشتہ سرشت خوش دل و خوش خوی چو اہل بہشت
ہر چہ ز صنعت بہ ہمہ عالم ست هست در ایشان و زیادت ہم هست
بیشتر از علم و ادب بہرہ مند و اہل سخن خود کہ شمارد کہ چند
ہر طرفی سحر بیانی نوست ریزہ چین کمتر شان خسرو ست
(امیر خسرو، ایضاً، ۳۴)

یعنی اہل شہر دہلی سبھی فرشتہ سیرت اور اہل بہشت ہی کی طرح خوش باش و خوش اطوار ہیں۔ دنیا بھر میں کوئی ایسا ہنر نہیں جس میں اہل دہلی نے کمال حاصل نہ کیا ہو، ہر طرف علم و ادب کا دور دورہ ہے۔ امیر خسرو تواضع اور انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں سبھی اہل شعر و سخن سحر بیان ہیں اور ان میں سے ریزہ چین اور کمتر تو خود میں ہی ہوں۔

وصف مسجد جامع: دہلی کی جامع مسجد سے متعلق حسب ذیل اشعار قابل غور ہیں:

مسجد او جامع فیض الہ زمزمہ ی خطبہ ی او تا بہ ماہ
آمدہ دروی ز سپہر کبود فیض بہ یک خواندن قرآن فزود
غلغل تسیح بہ گنبد درون رقتہ ز نہ گنبد والا برون
ہر کہ سعادت بودش رہنمای بر در او سر نہد آن گاہ پای
(ایضاً، ۳۰)

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مذکورہ مسجد کے نو گنبد تھے، اور مسجد کی چھت کے نیچے جا بجا ستون بھی قائم تھے۔ یہ وہی ستون تھے جو مذکورہ مسجد کی تعمیر سے پہلے رائے پتھوراکے مندر میں استعمال ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ ستون اس وقت بھی موجود ہیں اور مسجد کے محل وقوع کی نشان دہی کرتے ہیں۔ وصف منارہ: فیروز شاہ تغلق (دوران حکومت: ۱۳۵۱ء-۱۳۸۸ء) کے زمانے میں آسمانی بجلی کے گرنے سے مذکورہ مینار متاثر ہوا تھا، بعد ازاں اس کی عمارت میں تراشیم و اضافات ہوتے رہے، لیکن امیر خسرو کے زمانے میں یہ مینار اپنی اصلی حالت میں موجود تھا۔ امیر خسرو کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ مینار کے اوپر گنبد نما قبة بنایا گیا تھا، جس کا بالائی حصہ غالباً سنہری تھا۔

امیر خسرو کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ مینار اصلی حالت میں سرخ رنگ کے پتھر کا تھا، جس کے اوپر ایک سنگ مرمر کا چتر بھی تعمیر کیا گیا تھا، کلس غالباً سونے کے تھے، افسوس ہے کہ معلومات کا دائرہ محض

یہاں تک ہی محدود ہے، امیر خسرو نے اپنے اشعار میں کہیں بھی اس سے متعلق ذکر نہیں کیا کہ اُس زمانے میں مذکورہ مینار کے کتنے درجے تھے۔

شکل منارہ چو ستونی ز سنگ از پی سقف فلک شیشہ رنگ
دیدن او را کله افگند ماہ بلکہ فتادش گہ دیدن کلاہ
از پی بر رفتن ہفت آسمان کرد زمین تا بہ فلک نرد بان
(ایضاً، ۳۰-۳۱)

سقف فلک: تشبیہ بلغ، سنگ، رنگ: جناس؛ ہنگام دیدن کلاہ افتادن: کنایہ؛ زمین: تجسیم؛ تا بہ فلک: زبان ساختن: نہایت بلندی کے اظہار کے لیے کنایہ، اغراق
یعنی اس مینار کو دیکھنے کے لیے چاند بھی بیتاب ہے، اور یہ کہ مینار اس قدر بلند ہے کہ اسے دیکھتے ہوئے دستار بھی سر سے اتر جاتی ہے، گویا آسمان تک سیڑھی لگانا پڑتی ہے۔
وصف حوض: سلطان شمس الدین اتمش (دوران حکومت: ۱۲۱۱ء-۱۲۳۶ء) نے یہ حوض مستحکم پہاڑ میں اس طرح سے تعمیر کروایا تھا کہ گویا آب حیات کا آئینہ ہو، اور اسے حوض شمس کہا جاتا تھا:

در کمر سنگ میان دو کوہ آب گھر صفوت و دریا شکوہ
ساختہ ی سلطان سکندر صفات در سد کوہ آئینہ ز آب حیات
(ایضاً، ۳۲)

امیر خسرو حوض سلطانی کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ یہ حوض دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ اس کے پانی میں موتیوں جیسی دلکشی اور سمندر جیسی شان ہے۔

نیم فلک ہست بہ زیر زمین چون بہ تہش نیست زمین آن ببین
حوض نگویم کہ جہانی ز نور نور کزو دیدہ ی بد باد دور
(ایضاً، ۳۳)

اس کا پانی بھی اس قدر صاف و شفاف ہے کہ رات کے وقت بھی اس کی تہ صاف دکھائی دیتی ہے، یہاں تک کہ لوگ اس حوض کا پانی پی بھی لیتے ہیں۔ دریائے جمنا سے حوض تک کئی نہریں بھی نکالی گئی ہیں۔

شہر گرازوی نبود آب کش کس نخورد در ہمہ شہر آب خوش
ور نخورد آب وی اندر زمین کی بہ زمین در خورد آبی چنین
گرد وی از اہل تماشا گروہ دامن خیمہ شدہ دامن کوہ
(ایضاً، ۳۲-۳۳)

اس تالاب کا پانی زمین میں جذب نہیں ہوتا تھا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ پہاڑ کی وجہ سے حوض کا پانی زمین میں جذب نہیں ہوتا تھا بلکہ بہتا ہوا دریائے جمنا میں جا گرتا تھا۔ اس حوض کی موجیں دامن کوہ سے ٹکراتی

تھیں اور تمام شہر کو میٹھا پانی یہیں سے دستیاب ہوتا تھا۔ حوض کے درمیان ایک چبوترہ بنا ہوا تھا، جس پر ایک دلکش عمارت بھی قائم تھی، لوگ وہاں سیر و تفریح کی غرض سے آتے اور دامن کوہ میں خیمہ زن ہوا کرتے تھے۔
وصف موسم سرما: ایرانی تقویم کے مطابق دی ماہ موسم سرما کا پہلا مہینہ ہے۔ امیر خسرو کی منظر نگاری کو ملاحظہ فرمائیے کہ موسم سرما کی آمد، دنوں کے مختصر اور راتوں کے طویل ہونے کو کس عمدگی اور شاعرانہ لطافت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ قاری مسحور ہوتا چلا جاتا ہے۔

زال جہان چرخ زدن کرد ساز داد بہ شب رشتہ بہ غایت دراز
روز چنان تنگ مجال آمدہ کش بہ گہ چاشت زوال آمدہ
خنجر خور یک نقطہ از خط شب کرد حک و روز نہادش لقب
(ایضاً، ۳۸)

زال جہاں: تجسیم؛ رشتہ: دراز بہ شب دادن: کنایہ، حسن تغلیل؛ خنجر خور: تشبیہ بلیغ
وصف آتش: وصف آتش میں بھی امیر خسرو نے اپنی ہنرمندی اور شعری ذوق و استعداد کا بھرپور ثبوت کچھ یوں دیا ہے:

آتش از آن جا کہ بہ دل جای کرد دود برآمد ز نفس های سرد (ایضاً، ۳۹)
یعنی چونکہ آگ نے دل میں جگہ کر لی ہے، اس لیے ٹھنڈی سانس سے بھی دھواں نکلتا ہے۔ یہ حسن تغلیل کی نہایت عمدہ مثال ہے کہ سردی کے سبب منہ سے جو بھاپ نکلتی ہے اس کا سبب یہ قرار دیا ہے کہ دل میں آگ نے جگہ کر لی ہے اور دل میں جگہ کرنا کیا ہے، محبت والفت ہی تو ہے۔

بس کہ زبان آوری آموختہ جملہ جہان را بہ زبان سوختہ
تیغ زبان را چو گرفته بہ دست روی ازو تافتہ ہر کس کہ ہست
تیز چو شد خنجر آن گرم خوی پشت ندیدش کس ازو ہیچ روی
(ایضاً، ۴۰)

امیر خسرو کے ہاں انسان و حیوان، چرند و پرند، نباتات و جمادات، گویا سبھی موجودات محو گفتگو رہتے ہیں۔ آگ اپنی زبان سے ساری دنیا کو جلا کر رکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔ جب وہ زبان کی تلوار (تیغ زبان: تشبیہ بلیغ) کو ہاتھ میں لیتی ہے تو ہر کوئی اس سے دور بھاگتا ہے۔ اس گرم فطرت کے تیز خنجر کے رو برو کوئی نہیں ٹھہرا پاتا۔
وصف قصر نوشہرہ: یہ وہ قصر ہے جو معز الدین کی قبائلیوں نے کیلوکھری میں دریائے جمنا کے کنارے پر تعمیر کروایا تھا۔

قصر نگویم کہ بہشتی فراخ روفتہ طوبی دَر او را بہ شاخ
بام سفیدش بہ فلک سود سر کرد بہ خورشید سفیدی ابر

پای چو مہتاب بہ بامش نہاد گشت ز دوران بہ زمین اوفتاد
رفت درون دَر او آفتاب وقف زمین کرد رُخ چرخ تاب
(ایضاً، ۴۱)

یعنی اسے محل تو نہیں کہا جاسکتا، بلکہ یہ تو ایک وسیع و عریض بہشت ہے، طوبیٰ کی شانیں اس کے دروازے کے سامنے جھاڑو لگاتی ہیں۔ اس کی سفید چھت آسمان کو چھوتی ہے، چاند کے پاؤں (پای مہتاب: استعارہ مکنیہ، تجسیم) اس کی چھت پر پڑتے ہیں تو وہ زمین پر گر پڑتا ہے۔ سورج جب اس کے دروازے سے داخل ہوتا ہے تو زمین کے لیے وقف ہو جاتا ہے۔

ہرچہ کہ نقاش بہ یک سو کشید عکس بہ دیوار دگر شد پدید
طرفہ عروسی شدہ آراستہ آئینہ از آب روان خاستہ
(ایضاً، ۵۵)

یعنی مصور جو نقش ایک دیوار پر تخلیق کرتا ہے، اس کا عکس ہو، دوسری دیوار پر دکھائی دیتا ہے۔ یہ محل تو گویا سچی سنوری دلہن ہے اور جمنہ کا پانی اُس کا آئینہ، یعنی جمنہ میں اس کا عکس دکھائی دیتا ہے۔
وصف موسم خزاں

فصل خزان چون بہ چمن خانہ ساخت باد روان کرہ بہ گلزار تاخت
جامہ ی خود کردہ بنفشہ کبود گشت چو صوفی بہ رکوع و سجود
نرگس بی دیدہ روان کوروش خار عصا باد خزان کور کش
از کرم شہ کہ عدو سوز بود فصل خزان موسم نو روز بود
(ایضاً، ۵۸)

شاعر کی پرواز تخیل کو ملاحظہ فرمائیے کہ کس طرح موسم خزاں کو مجسم کر دیا ہے، موسم خزاں چمن میں گھر کر رہا ہے، تیز ہواؤں نے گلزار کو تاخت و تاراج کر ڈالا ہے۔ درختوں نے بنفشی لباس زیب تن کر لیا ہے اور کسی صوفی با صفا کی طرح رکوع و سجود میں مصروف ہیں۔ نرگس بے دیدہ (استعارہ مکنیہ)، خار عصا (تشبیہ بلخ) جیسی تراکیب دلکشی لیے ہوئے ہیں۔ بادشاہ کی سخاوت و شجاعت اور داد و دہش کا اظہار بھی دلکش پیرائے میں ملتا ہے۔

وصف موسم بہار: امیر خسرو نے تجسیم کے عمدہ نمونے تخلیق کیے ہیں۔ اس کے ہاں ابر، گل، غنچہ، آب سمن اور باد بھی جاندار اور بیشتر تو انسانی صفات کے حامل اور موسم بہار کے پیامبر ہیں۔

فصل بہاران چو علم بر کشید ابر سرا پردہ بر اختر کشید

جامہ ی گل پارہ شدہ بر تنش غنچہ گرہ بر زدہ بر دامنش
گل زکرم زر دہد آن راکہ جُست وز پی خود جامہ نسا زد درست
آب سمن در چہ خود مشک سود باد شد آہو تگ و مشکش ربود
(ایضاً، ۶۸-۶۹)

فصل بہاراں، ابر، گل، غنچہ اور آب سمن تجسیم کی مثالیں ہیں۔ باد صبا کسی ہرن کی طرح دوڑتی اور بوئے مشک ہر سو بکھیرتی ہے۔

وصف نوروز: ایرانی تقویم کی رو سے فروردین سال اور موسم بہار کا پہلا مہینہ ہے۔ پس ماہ فروردین کے آغاز پر سال نو کی تقاریب بڑے پیمانے پر منعقد ہوتی ہیں۔ نوروز کے تہوار کا ذکر فارسی شعرا کے ہاں بکثرت ملتا ہے۔ امیر خسرو نے بھی نئے سال کی آمد کے مبارک موقع پر موسم کی خوشگوار تبدیلی کا ذکر دلفریب انداز میں کیا ہے۔

دور جہان روز نو از سر گرفت موسم نوروز جہان در گرفت
شاہ دران روز ہم از بامداد قصر فلک مرتبہ را تاب داد
تخت زند و تنق آویختند عرش دگر بر زمین انگیختند
چتر زہر سو بہ فلک سر کشید ابر سر از شرم بہ چادر کشید
(ایضاً، ۷۳-۷۴)

نئے سال کا آغاز گویا کائنات کا از سر نو زندہ ہونا ہی ہے۔ اس عظیم الشان تہوار کے مبارک موقع پر محل کی آرائش بھی نئے سرے سے کچھ یوں کی جاتی ہے کہ گویا زمین کو ہی عرش میں بدل دیا جاتا ہے۔ بادلوں کا شرم کے مارے چادر اوڑھ لینا امیر خسرو ہی کا دلفریب تخیل ہے۔
وصف تیغ: تلوار کی شان و شوکت سے انکار بھلا کہاں ممکن ہے۔ امیر خسرو جیسا میدان عمل کا شاہسوار اس کی اہمیت و عظمت سے کہاں غافل رہ سکتا ہے۔

او بہ خوشی خفتہ میان نیام خواب مخالف شدہ از وی حرام
قیمت زر بیشتر از آہن است لیک زر از آہن او روشن است
پارہ ی آہن کہ بہ زر در خورست حرمت آہن نہ ازان زرست
(ایضاً، ۷۹)

تلوار اگر نیام میں بھی ہو تو دشمن کی نیندیں حرام کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اگر چہ لوہے کی نسبت سونے کی قدر و قیمت زیادہ ہے لیکن تلوار کی حرمت اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔
وصف کشتی: مثنوی میں مختلف اقسام کی کشتیوں کی توصیف بیان ہوئی ہے جن میں سوار ہو کر کیتاؤ اور بغراخان دریائے سر جو کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک آیا جایا کرتے تھے۔

ساختہ از حکمت کار آگھان خانہ گردندہ بہ گرد جھان
نادرہ ی حکم خدای حکیم خانہ روان خانگیانش مقیم
گرچہ بہ دریا گزرد بیش و کم آب نباشد مگرش تاشکم
بگزر از آب و سوارش بہ خواب غرقہ نگردد چو سواران آب
باسبکی یار تواند کشید از سبکان بار کشیدن کہ دید؟

(ایضاً، ۱۳۵)

شاعر نے کس خوبی سے کشتی کے محاسن گنوائے ہیں کہ ایک ایسا گھر جو رواں دواں ہے لیکن اس کے
مکین ایک ہی جگہ مقیم ہیں۔ کشتی کس طرح دریا کی متلاطم موجوں پر سے گزرتی ہے اور اس میں سوار افراد
مخواب رہتے ہیں۔ خود تو سبک بار ہے لیکن سواروں کا بوجھ اٹھائے چلی جاتی ہے۔ کشتی کی صفات کو خانہ گردندہ
اور خانہ روان جیسی تشبیہات سے روشن کیا گیا ہے۔

وصف اسپاں: آج سے تقریباً سات سو سال پہلے کی تہذیب کا تصور کیجیے، جب گھوڑے ہی سوار کی شان و شوکت
اور عظمت و ہیبت کی علامت ہوا کرتے تھے، اسی تہذیبی پس منظر میں صفات اسپ کو نہایت اعلیٰ پیرائے میں
بیان کیا گیا ہے، کبھی گھوڑے کی برق رفتاری کا ذکر ہے تو کبھی اس کی دلیری و جانبازی کی تعریف میں شاعرانہ
مبالغہ آرائی اور حسن تغلیل سے کام لیا گیا ہے۔

تیر تگان ہمہ تازی نژاد چون دمہ ی آتش و ابنان باد
تیز تگ و گوش چو پیکان بدید بر سربک تیر دو پیکان کہ دید؟
از ہنر آراستہ پاتا بہ فرق گاہ روش ابر بہ خستن چو برق
کوہ گران لیک گران سنک نی یک تگ شان جز بہ دو فرسنگ نی
آب روان از پی صحرا بگشت باد صبا از پی گلگشت دشت
پیکر آن راہ نوردان پاک باد مجسم شدہ بر روی خاک
تیزی خنگان محیط آزمون آب ببرد از فلک نیلگون

(ایضاً، ۱۵۳-۱۵۵)

وصف پان: پان کو ہندوستان کی پُر اسرار سرزمین کا تحفہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ امیر خسرو نے بھی پان کے پتے کو
پھول اور پھر نبات سے تشبیہ دیتے ہوئے ہندوستان کی سب سے بڑی سوغات قرار دیا ہے، بعد ازاں اس کی
جملہ خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے۔

بیرہ تنبول کہ صد برگ بست چون گل صد برگ بیامد بہ دست
نادرہ برگ کی چو گل بوستان خوب ترین نعمت ہندوستان

طرفہ نباتی کہ چو شد در دهن خونش چو حیوان بہ در آید ز تن
 خوردن آن بوی دهن کم کند سستی دندان ہمہ محکم کند
 سیر خورد گرسنہ در دم شود گرسنہ را گرسنگی کم شود
 (ایضاً، ۱۸۵-۱۸۶)

یعنی پان کا پتا دہن کی ناگوار بو کو کم کرتا اور دانتوں کی مضبوطی کو بڑھاتا ہے، مزید یہ کہ اگر شکم سیر شخص
 پان کھائے تو اس کی بھوک کو بڑھاتا ہے اور اگر کوئی بھوکا شخص کھائے تو اس کی بھوک کو کم کرتا ہے۔

سرخی رویش ز سہ خدمت گرش چو نہ و فوفل شدہ رنگ آورش
 گر چہ کہ آبش بہ نوی هست بیش کھنہ شود بیش کند آب خویش
 (ایضاً، ۱۸۶)

یعنی اگر چہ نئے پان کی آبداری زیادہ ہوتی ہے، لیکن پرانے کی آب اور بھی زیادہ ہوجاتی ہے۔

برگ کہ باشد بہ درختان فراخ زود شود خشک چو افتد ز شاخ
 برگ عجب بین کہ گسستہ ز بر وز پس شش ماہ بود تازہ تر
 (ایضاً)

وصف پیل

پیل چو کوہی کہ بود بی سکون چار ستون زیر گہ بی ستون
 پیچش خرطوم بہ سان کمند اژدری افتادہ ز کوہ بلند
 در زمین آنجا کہ سرافراختہ مار ز سر غار ز پا ساختہ
 کشتی عاج ست تو گویی روان گشتہ دو گوشش ز دو سو باد بان
 (ایضاً، ۱۹۰-۱۹۱)

ہاتھی کو زمانہ قدیم ہی سے سرزمین ہندوستان کی پہچان کہا جاتا رہا ہے۔ امیر خسرو نے بھی
 وصف پیل میں تازہ تشبیہات تخلیق کی ہیں، اور اسے کوہ بی ستون کے مماثل اور پھر اس کی چار مضبوط ٹانگوں کو
 چار ستون قرار دیا ہے۔ وہ ہاتھی کی سوئڈ کو کمند اور بلند پہاڑ سے نیچے گرنے والے اژدھے سے تشبیہ دیتے
 ہیں اور بعد ازاں ہاتھی دانت کو کشتی اور اس کے بڑے بڑے کانوں کو کشتی کا بادبان سمجھتے ہیں۔

مثنوی قران السعدین کے قاری کو گمان گزرتا ہے کہ اس تاریخی داستان کے گویا سبھی کردار اس کے
 ذہن میں مجسم ہو چکے ہیں، اور وہ اُن کے احوال و اطوار، اخلاق و خصائل اور عادات و رجحانات سے کسی حد تک
 آگاہ ہو چکا ہے۔ مصوّر اور شاعر میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ ایک مصوّر منظر کی عکاسی کرتے ہوئے خارجی

مناظر کی مدد سے باطنی کیفیات کی جھلک دکھانے کی کوشش کرتا ہے، اس کے برعکس ایک شاعر اکثر اوقات داخلی پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہوا چلتی پھرتی اور جیتی جاگتی ہستیوں کو ہمارے روبرو پیش کر دیتا ہے۔ واقعیت کے دونوں پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھنا اور ان کو کامیابی کے ساتھ شاعرانہ نقاشی کی صورت کام میں لانا چنداں آسان نہیں ہے۔ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ امیر خسرو کو شاعری کی ان نزاکتوں کا بخوبی اندازہ تھا اور وہ ان دشوار گزار گھاٹیوں سے ٹکنا بھی بخوبی جانتے تھے۔



حواشی

(۱) شبلی نعمانی نے امیر خسرو کا سال تولد ۶۵۰ھ قرار دیا ہے۔ (شبلی نعمانی، شعر العجم، ج ۲، ص ۸۲) رضا زادہ شفق نے ۶۵۱ھ لکھتے ہوئے امیر خسرو کا یہ شعر بھی درج کیا ہے۔ (شفق، ۳۰۷):

کنون کہ شش صد و هشتاد و چار شد تاریخ مرا ز سی و سه آمد و نوید سی و چہار

جس کے نتیجے میں سال پیدائش ۶۵۱ھ ہی درست قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۲) قرآن السعدین امیر خسرو کی پہلی طویل مثنوی ہے، البتہ قبل ازیں انھوں نے چند ایک مختصر مثنویاں بھی رقم کیں۔

(۳) نظامی گنجوی کی پانچ مثنویاں: ۱۔ مخزن الاسرار، ۲۔ خسرو شیرین، ۳۔ لیلی و مجنون، ۴۔ ہفت پیکر، ۵۔ اسکندر نامہ

(۴) نظامی گنجوی کی پیروی میں امیر خسرو کی پانچ مثنویاں:

۔ مطع الانوار ۔ شیرین و خسرو ۔ مجنون و لیلی ۔ ہشت بہشت ۔ آئینہ اسکندری

(۵) امیر خسرو کے بعد مولانا عبدالرحمن جامی (۱۴۱۴ء-۱۴۹۲ء)، فیضی فیاضی (۱۵۴۷ء-۱۵۹۵ء) اور عرفی شیرازی

(۱۵۵۵ء-۱۵۹۱ء) جیسے شعراء نے بھی نظامی کی پیروی میں مثنویاں لکھیں۔

(۶) امیر خسرو کی طبع زاد تاریخی مثنویاں:

۔ قرآن السعدین ۔ نہ سپہر ۔ مفتاح الفتوح ۔ دول رانی خضر خان ۔ تعلق نامہ

(۷) اودھ ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کا تاریخی اہمیت کا حامل شہر ہے۔

منابع

- آندراج (۱۳۶۳ش)، فرہنگ آندراج از محمد بادشاہ، بہ کوشش دبیر سیاقی، انتشارات امیر کبیر، تہران
- اسماعیل، مولانا محمد (۱۹۱۸ء) مقدمہ مثنوی قرآن السعدین، مطبع انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ
- امیر خسرو (الف) (۱۳۱۲ش) خمسۃ امیر خسرو، بہ کوشش امیر احمد اشرفی، چاپ اول، انتشارات شقائق، تہران
- ایضاً (ب) (۱۴۱۰ھ) دیباچہ دیوان تحفۃ الصغر، بہ کوشش سید علی حیدر، ادارہ تحقیقات ادبی فارسی، پٹنہ، بہار

- ایضاً (ج) (۱۹۷۵ء) دیباچہ دیوان غرۃ الکمال، بہکوش وزیر الحسن عابدی، نیشنل کمیٹی برائے سات سو سالہ تقریبات امیر خسرو، نیشنل بک فاؤنڈیشن، مطبع عالیہ، لاہور
- ایضاً (د) (۱۹۷۹ء) مثنوی قران السعدین، بہکوش سید احمد حسن دانی، مرکز تحقیقات ایران و پاکستان، اسلام آباد
- ایضاً (ه) (۱۹۱۸ء) مثنوی قران السعدین، مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ
- ایضاً (و) مثنوی قران السعدین (بی تا)، مطبع نول کشور، لکھنؤ
- ایضاً (ز) (۱۹۷۳ء) کلیات غزلیات خسرو، تدوین و تصحیح اقبال صلاح الدین، تجدید نظر وزیر الحسن عابدی، طبع اول، پیکچر، لاہور
- امیر خسرو (ح) (۱۹۷۷ء)، کلیات قصائد امیر خسرو، بہکوش اقبال صلاح الدین، جلد اول، طبع اول، پیکچر، لاہور
- برنی، سید حسن (۱۹۱۸ء) تمہید مثنوی قران السعدین، مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ
- جعفری، ریاض (۲۰۱۸ء)، طوطی امیر خسرو، طوطی ہند، مترجم مسعود مفتی، سیونہ سرکاری پبلی کیشنز، لاہور
- دہخدا، علی اکبر (۱۳۷۲ش)، لغت نامہ دبخددا، انتشارات دانشگاه تهران، تہران
- سلیمان اشرف، محمد (۱۹۱۸ء) دیباچہ مثنوی ہشت بہشت، مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ
- شبلی نعمانی (بی تا)، حیات خسرو، قومی پریس، دہلی
- شبلی نعمانی (۱۹۸۵ء) شعر العجم، جلد دوم، مطبع معارف، اعظم گڑھ
- شفق، رضا زادہ (تاریخ ادبیات ایران، تہران
- شکیل الرحمن (۱۹۹۶ء) امیر خسرو کی جمالیات، مؤثران پبلشنگ ہاؤس، دریائے گنج، نئی دہلی
- عمید، حسن (۱۳۶۴ش)، فرہنگ عمید، انتشارات امیر کبیر، تہران
- قاضی نورالحق، نور محمد (۱۹۷۵ء)، نور العین، شرح قران السعدین، نیشنل کمیٹی برائے سات سو سالہ تقریبات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، مطبع عالیہ، لاہور
- مرزا، وحید (۲۰۰۶ء) امیر خسرو، سوانح عمری، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی
- معین، محمد (۱۳۸۸ش)، فرہنگ فارسی، انتشارات امیر کبیر، تہران
- نظامی گنجوی (۱۳۶۶ش) خمسہ نظامی، با مقدمہ شبلی نعمانی، بہکوش م۔ درویش، انتشارات جاویدان، تہران

